ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1963

Program: Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ) شعبہ قرآن و تفسیر(

کورس :برصغیر پاک و ہند کی منتخب عربی و اردو تفاسیر :تعارف و خصائص • (1963) سطح :بی۔ ایس

علوم اسلامیہ) تخصص قرآن و تفسیر(

سمسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر 1 :تا(5 اسائنمنٹ نمبر 1

کل نمبر • 100 :کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کریں، مفاہیم کو سمجھیں اور اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ یہ مواد امتحانی مشق لکھنے میں رہنمائی کے لیے ہے، اسے ہو بہو نقل کرنا مناسب نہیں۔

سوال نمبر :1 شیخ علاء الدین علی بن احمد مہائمی اور ان کی تفسیر — تعارف اور چار اہم خصوصیات 20) نمبر(

سوال نمبر1 ۔ شیخ جلاء الدین علی بن احمد مہائمی اور ان کی تفسیر کا تعارف کرائیے اور اس کی چار اہم خصوصیات بیان کیجیے۔(20)

تعارف

برصغیر پاک و ہند میں قرآن مجید کی خدمت کی تاریخ نہایت قدیم اور درخشاں ہے۔ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی اس خطے میں قرآن کی تلاوت، حفظ، ترجمے اور تفسیر کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، تاہم ابتدائی صدیوں میں یہ خدمت زیادہ

تر انفرادی اور جزوی نوعیت کی رہی۔ باقاعدہ اور مکمل عربی تفسیر کی تصنیف کا سہرا جن بزرگوں کے سر ہے، ان میں شیخ علاء الدین علی بن احمد مہائمی کا نام سر فہرست آتا ہے۔ ان کی تفسیر کو برصغیر میں لکھی جانے والی اولین مکمل عربی تفاسیر میں شمار کیا جاتا ہے اور اسے یہاں کے تفسیری ادب کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے برصغیر کی تفسیری روایت کا مطالعہ شیخ مہائمی اور ان کی تفسیر کے تعارف کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

اس جواب میں پہلے شیخ مہائمی کی شخصیت اور ان کی تفسیر کا تعارف پیش کیا جائے گا اور پھر اس تفسیر کی چار اہم اور نمایاں خصوصیات تفصیل سے بیان کی جائیں گی، تاکہ برصغیر کے تفسیری سرمایے میں اس کا مقام واضح ہو سکے۔

شیخ مہائمی کی سوانح حیات کا مختصر تعارف

شیخ علاء الدین علی بن احمد مہائمی ہندی نویں صدی ہجری کے ممتاز عالم، مفسر اور صوفی بزرگ تھے۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق آپ کی ولادت776 ھ میں ہوئی۔ آپ کا تعلق ہندوستان کے مغربی ساحل کے علاقے کونکن سے تھا اور آپ کی نسبت ماہم کی طرف ہے، جو موجودہ ممبئی کے قریب ایک قدیم بستی تھی اور اسی نسبت سے آپ مہائمی کہلائے۔ یہ علاقہ اس دور میں تجارت اور علم دونوں کا مرکز تھا اور عرب تاجروں اور علماء کی آمد و رفت کی وجہ سے یہاں عربی زبان و ادب کا اچھا چرچا تھا۔

شیخ مہائمی نے اپنے دور کے جلیل القدر علماء سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ آپ فقہ حنفی کے پابند تھے، لیکن علمی وسعت اور تحقیق کے میدان میں آپ کا ذہن تنگ نظری سے بالکل پاک تھا۔ آپ بیک وقت ایک محقق عالم، با عمل صوفی اور قرآن کے گہرے غواص تھے۔ تصوف میں آپ کو خاص ذوق حاصل تھا اور آپ کی شخصیت میں زہد، تقویٰ اور علم و عمل کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ تدریس اور تصنیف دونوں سے آپ کو گہرا شغف تھا اور آپ کے حلقہ درس سے بے شمار طلبہ نے فیض حاصل کیا۔

آپ کی وفات835 ھ میں ہوئی۔ آپ کی سب سے بڑی اور شاہکار تصنیف آپ کی تفسیر قرآن ہے جس نے آپ کا نام تاریخ تفسیر میں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔ اس کے علاوہ تصوف اور دیگر موضوعات پر بھی آپ کی طرف چند رسائل منسوب ہیں، تاہم آپ کی شہرت کی اصل بنیاد یہی تفسیر ہے۔

تفسیر مہائمی کا تعارف

شیخ مہائمی کی تفسیر کا اصل نام" تبصیر الرحمن و تیسیر المنان ببعض ما أشار إلی إعجاز القرآن "ہے، لیکن یہ اپنے مصنف کی نسبت سے" تفسیر مہائمی "کے نام سے ہی مشہور ہوئی۔ یہ عربی زبان میں پورے قرآن مجید کی مکمل تفسیر ہے اور کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہندوستان جیسے عجمی ماحول میں ایک ہندی نژاد عالم کا عربی زبان میں اس پائے کی مکمل تفسیر لکھنا بذات خود ایک عظیم علمی کارنامہ تھا، کیونکہ اس سے پہلے یہاں مکمل عربی تفسیر کی کوئی باقاعدہ روایت موجود نہ تھی۔

اس تفسیر کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں ظاہری معنوں کی وضاحت کے ساتھ ساتھ آیات کے باطنی اور اشاری معانی کی طرف بھی توجہ دی گئی ہے۔ مصنف نے سورتوں اور آیات کے باہمی ربط کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے، جس کی وجہ سے مفسرین اور محققین نے اس تفسیر کو نظم قرآن پر مبنی قدیم کوششوں میں اہم مقام دیا ہے۔ یہ تفسیر طبع ہو کر اہل علم تک پہنچی اور صدیوں تک برصغیر اور عرب دنیا کے علمی حلقوں میں اس سے استفادہ کیا جاتا رہا۔

خصوصیت نمبر 1: ربط و نظم کی نمایاں جھلک

تفسیر مہائمی کی پہلی اور سب سے نمایاں خصوصیت آیات و سور کے درمیان ربط و نظم کو تلاش کرنا اور بیان کرنا ہے۔ شیخ مہائمی کا عقیدہ تھا کہ قرآن مجید کا کلام ایک مربوط اور منظم کلام ہے؛ اس کی ہر آیت اپنے ما قبل اور ما بعد سے جڑی ہوئی ہے اور ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون ہے جس کے گرد اس کی تمام آیات گھومتی ہیں۔ چنانچہ وہ ہر سورت کی تفسیر کے آغاز میں اس سورت کا اس سے پچھلی سورت سے تعلق بیان کرتے ہیں اور پھر آیات کے درمیان مناسبت واضح کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

یہ خصوصیت اس لیے بھی اہم ہے کہ ربط و نظم کی یہ بحث بعد کے ادوار میں حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی جیسے مفسرین کے یہاں باقاعدہ نظریے کی شکل اختیار کر گئی۔ شیخ مہائمی کو اس میدان کے اولین راہ نماؤں میں شمار کرنا بے جا نہ ہو گا۔ ربط کی اس توجہ سے قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ قرآن کوئی بکھرے ہوئے مضامین کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک وحدت ہے، اور یہی احساس تدبر قرآن کی روح ہے۔

خصوصیت نمبر :2 اشاری و صوفیانہ رنگ کے ساتھ اعتدال

اس تفسیر کی دوسری اہم خصوصیت اس کا اشاری اور صوفیانہ رنگ ہے۔ شیخ مہائمی خود صوفی منش بزرگ تھے، اس لیے ان کی تفسیر میں تزکیہ نفس، معرفت الٰہی اور روحانی لطائف کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ بہت سی آیات کے ظاہری مفہوم کے بعد اس اشارے کی طرف بھی رہنمائی کرتے ہیں جو اہل دل کے لیے اس آیت میں پنہاں ہوتا ہے۔ اس سے قاری کی روحانی تربیت ہوتی ہے اور قرآن سے اس کا تعلق محض ذہنی نہیں، قلبی بھی بن جاتا ہے۔

تاہم قابل تحسین بات یہ ہے کہ انہوں نے اشاری تفسیر میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ باطنی معنی کو ظاہری معنی کا نقیض نہیں بناتے اور نہ ایسی تاویلات کرتے ہیں جو شریعت کے ظاہر سے ٹکراتی ہوں۔ بلکہ ان کا اشارہ ظاہر کی تائید اور تکمیل کرتا ہے۔ یہی متوازن روش اس تفسیر کو ان افراط پسند اشاری تفاسیر سے ممتاز کرتی ہے جن میں من مانے معانی گھڑ لیے گئے تھے۔ اس توازن نے اس تفسیر کو اہل شریعت اور اہل طریقت دونوں حلقوں میں مقبول بنا دیا۔

خصوصیت نمبر :3 اعجاز قرآن اور بلاغت پر توجہ

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس تفسیر میں قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی بلاغت و فصاحت کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے، جیسا کہ خود تفسیر کے نام کے آخری حصے" ببعض ما أشار إلى إعجاز القرآن "سے ظاہر ہے۔ شیخ مہائمی جگہ جگہ آیات کے اسلوب بیان، الفاظ کے انتخاب، ترتیب کلام اور نظم کی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ کلام انسانی قدرت سے باہر ہے۔ وہ تشبیہ، استعارے، تقدیم و تاخیر اور ایجاز و اطناب جیسے بلاغی نکات کو سادہ انداز میں واضح کرتے ہیں۔

اس خصوصیت کا فائدہ یہ ہوا کہ تفسیر پڑھنے والے کو صرف مفہوم ہی نہیں ملتا بلکہ اسے قرآن کی ادبی عظمت کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ برصغیر کے عجمی قارئین کے لیے یہ چیز خاص طور پر مفید تھی، کیونکہ اعجاز کی یہ بحث ان کے دلوں میں قرآن کی عظمت راسخ کرتی تھی اور منکرین کے اعتراضات کا علمی جواب بھی فراہم کرتی تھی۔

خصوصیت نمبر :4 جامعیت، اختصار اور سہل اسلوب

چوتھی خصوصیت اس تفسیر کی جامعیت کے ساتھ ساتھ اس کا مناسب اختصار اور سہل اسلوب ہے۔ شیخ مہائمی نے لغت، صرف و نحو، قراءت، اسباب نزول، فقہی احکام اور اخلاق و اصلاحی پہلوؤں کو اس انداز سے جمع کیا ہے کہ قاری کو قرآن فہمی کے تمام بنیادی اوزار ایک ہی جگہ مل جاتے ہیں۔ لیکن اس جامعیت کے باوجود تفسیر غیر ضروری طوالت کا شکار نہیں ہے؛ وہ طویل کلامی مباحث اور فروعی اختلافات میں الجھنے کے بجائے آیت کے مفہوم اور اس کی رہنمائی کو نمایاں رکھتے ہیں۔

ان کا عربی اسلوب صاف، رواں اور پرتکلف عبارت آرائی سے پاک ہے، جس کی وجہ سے یہ تفسیر اہل علم کے ساتھ ساتھ متوسط درجے کے طلبہ کے لیے بھی قابل استفادہ بنی۔ فقہی مسائل میں وہ زیادہ تر فقہ حنفی کی روشنی میں رہنمائی کرتے ہیں، مگر دوسرے مسالک کے ساتھ ان کا رویہ احترام اور رواداری کا رہا ہے۔ یہی سادگی اور اعتدال اس تفسیر کی دیرپا مقبولیت کا راز ہے۔

تفسیر مہائمی کی اہمیت اور اثرات

تفسیر مہائمی کو برصغیر کی تفسیری تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس نے اس خطے میں عربی تفسیر نویسی کی باقاعدہ بنیاد رکھی اور بعد میں آنے والے مفسرین کے لیے راہ ہموار کی۔ اس کے ربط و نظم کے مباحث نے آئندہ نسلوں کے اذہان کو متاثر کیا اور اشاری و ظاہری تفسیر کے امتزاج کی جو روش اس نے اختیار کی، وہ برصغیر کے مزاج کے بہت قریب ثابت ہوئی، کیونکہ اس خطے میں تصوف اور شریعت ہمیشہ ساتھ ساتھ چلے ہیں۔

یہ امر بھی اہم ہے کہ یہ تفسیر صرف برصغیر تک محدود نہ رہی بلکہ عرب علماء نے بھی اس سے حوالے دیے اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برصغیر کے علماء محض نقل کرنے والے نہیں تھے بلکہ علم تفسیر میں اصل اضافے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ علاء الدین علی بن احمد مہائمی برصغیر کے ان اولین مفسرین میں سے ہیں جنہوں نے یہاں مکمل عربی تفسیر کی روایت قائم کی۔ ان کی تفسیر" تبصیر الرحمن و تیسیر المنان "اپنی چار نمایاں خصوصیات یعنی ربط و نظم پر زور، معتدل اشاری و صوفیانہ رنگ، اعجاز و بلاغت قرآن پر توجہ اور جامعیت کے ساتھ سہل و مختصر اسلوب کی وجہ سے برصغیر کی منتخب تفاسیر میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ یہ تفسیر آج بھی اس بات کی گواہ ہے کہ برصغیر کے علماء نے خدمت قرآن میں عرب دنیا سے کسی طرح کم حصہ نہیں لیا۔

سوال نمبر :2 ملا علی اصغر قنوجی اور تفسیر" ثواقب التنزیل فی انارۃ التأویل — " تعارف اور تفسیری اسلوب 20) نمبر(

سوال نمبر2 ۔ ملا علی اصغر قنوجی اور ان کی تفسیر" ثواقب التنزیل فی انارۃ التأویل "کا تعارف اور تفسیری اسلوب بھی بیان کیجیے۔(20)

تعارف

برصغیر کی تفسیری روایت صرف بڑے شہروں اور مشہور خانقاہوں تک محدود نہیں رہی، بلکہ قنوج، امیٹھی، لکھنؤ اور جونپور جیسے قصباتی علمی مراکز نے بھی علم تفسیر میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ انہی مراکز میں قنوج کو ایک خاص مقام حاصل ہے، جو صدیوں تک علم و ادب کا گہوارہ رہا اور جہاں سے بڑے بڑے علماء، ادباء اور مفسرین پیدا ہوئے۔ ملا علی اصغر قنوجی اسی علمی سرزمین کی پروردہ شخصیت ہیں اور ان کی عربی تفسیر" ثواقب التنزیل فی انارۃ التأویل "برصغیر کی عربی تفاسیر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

اس تفسیر کی شہرت اگرچہ بعض مشہور تفاسیر کے مقابلے میں کم رہی، لیکن اس کے اسلوب اور علمی خصوصیات کا مطالعہ برصغیر کے تفسیری رجحانات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ ذیل میں پہلے مصنف اور ان کی تفسیر کا تعارف پیش کیا جاتا ہے اور پھر ان کے تفسیری اسلوب کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

قنوج کا علمی پس منظر اور ملا علی اصغر قنوجی کا تعارف

قنوج موجودہ اتر پردیش کا ایک قدیم شہر ہے جو گنگا کے کنارے واقع ہے۔ اسلامی دور میں یہ شہر علم و فضل کا مرکز بنا اور یہاں کے علماء نے فقہ، حدیث، ادب اور تفسیر میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اس شہر کی علمی فضا میں آنکھ کھولنے والے ملا علی اصغر قنوجی ان علماء میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بسر کیا۔" ملا "کا لقب اس دور میں ان جید علماء کے لیے استعمال ہوتا تھا جو درسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، اور اس لقب سے ملا علی اصغر کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

انہوں نے روایتی علوم کی تحصیل اپنے وقت کے مستند اساتذہ سے کی۔ اور عربی زبان و ادب، صرف و نحو، منطق، فقہ اور اصول میں گہری دسترس حاصل کی۔ ان کی شخصیت کی نمایاں خوبی قرآن مجید سے ان کا غیر معمولی شغف تھا۔ یہی شغف انہیں تفسیر قرآن کی تصنیف کی طرف لے آیا۔ ہمیں یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ برصغیر کے بہت سے قصباتی علماء کے حالات زندگی تذکروں میں اختصار سے ملتے ہیں، اس لیے ان کی شخصیت کا سب سے مستند اور مکمل تعارف ان کی تصنیف ہی ہوتی ہے، جس سے ان کے علم، ذوق اور منہج کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تفسیر" ثواقب التنزیل "کا تعارف

ملا علی اصغر قنوجی کی تفسیر کا نام" ثواقب التنزیل فی انارۃ التأویل "ہے۔ عربی میں" ثواقب "کا مطلب ہے چمکتے اور روشنی پھیلانے والے ستارے، جیسا کہ قرآن مجید میں" النجم الثاقب "کی ترکیب آئی ہے؛ اور" انارہ "کے معنی ہیں روشن کرنا۔ گویا مصنف نے نام ہی سے یہ اشارہ دیا ہے کہ ان کی تفسیر قرآن کے ان روشن حقائق کو اجاگر کرے گی جو تأویل کے غبار میں پوشیدہ رہ جاتے ہیں، اور آیات کے معانی کو ستاروں کی روشنی کی طرح واضح کرنا اس کا مقصد ہے۔ اس دور کی تفاسیر کے نام عام طور پر مسجع اور مقفی رکھے جاتے تھے اور یہ نام بھی اسی ادبی ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔

یہ تفسیر عربی زبان میں ہے اور اس کا انداز علمی و درسی ہے۔ اس میں آیات کی لغوی و نحوی وضاحت، سابقہ مفسرین کے اقوال سے استفادہ اور اپنے تحقیقی نکات کی شمولیت یکجا نظر آتی ہے۔ یہ تفسیر برصغیر میں عربی تفسیر نگاری کے اس تسلسل کا حصہ ہے جو شیخ مہائمی سے شروع ہو کر بعد کے مفسرین تک پہنچا، اور اس کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس خطے میں عربی تفسیر کا ذوق کئی صدیوں تک زندہ رہا۔

تفسیری اسلوب :لغت، نحو اور بلاغت کا اہتمام

ملا علی اصغر قنوجی کے تفسیری اسلوب کی پہلی نمایاں خوبی لغت اور نحو کا خصوصی اہتمام ہے۔ وہ آیت کی تفسیر کا آغاز عموماً مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق سے کرتے ہیں؛ لفظ کے مادے، اس کے مختلف معانی اور عرب کے محاورے میں اس کے استعمال کو واضح کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ جملے کی نحوی ترکیب بیان کرتے ہیں کہ اعراب کی ایک صورت اختیار کرنے سے معنی میں کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ روش طالب علم کے لیے خاص طور پر مفید ہے، کیونکہ قرآن فہمی کی بنیاد ہی زبان کی سمجھ پر ہے۔

ان کے اسلوب میں بلاغت کے نکات بھی اجاگر ہوتے ہیں۔ تقدیم و تاخیر کی حکمت، حذف و ذکر کی لطافت اور استعارات کی وضاحت کے ذریعے وہ قاری کو قرآن کے اسلوب کی خوبصورتی سے آشنا کراتے ہیں۔ تاہم ان کی لغوی و نحوی بحث خشک درسی مشق نہیں بنتی، بلکہ اس کا مقصد ہمیشہ آیت کے مفہوم تک پہنچنا ہوتا ہے؛ اس لیے عبارت میں روانی برقرار رہتی ہے اور قاری اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

تفسیری اسلوب :روایت و درایت کا امتزاج

ان کے اسلوب کی دوسری بڑی خوبی تفسیر بالروایہ اور تفسیر بالدرایہ کا حسین امتزاج ہے۔ وہ آیات کی تشریح میں احادیث، آثار صحابہ و تابعین اور سلف مفسرین کے اقوال کو اہمیت دیتے ہیں اور سابقہ تفاسیر خصوصاً بیضاوی اور دیگر معتبر عربی تفاسیر کے سرمایے سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ استفادہ ان کی علمی امانت اور وسعت مطالعہ کا ثبوت ہے کہ انہوں نے اپنے سے پہلے کے علمی ذخیرے کو نظر انداز نہیں کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ محض نقل پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ درایت یعنی فہم و تدبر سے بھی کام لیتے ہیں۔ جہاں مفسرین کے اقوال میں اختلاف ہوتا ہے وہاں وہ دلائل کی روشنی میں ان کا موازنہ کرتے اور اپنے رجحان کو مناسب انداز میں ظاہر کرتے ہیں۔ جہاں کوئی دقیق نکتہ ان کے ذہن میں آتا ہے اسے وہ پوری وضاحت سے بیان کر دیتے ہیں۔ اس امتزاج نے ان کی تفسیر کو جمود سے بچایا ہے اور تحقیق کا رنگ دیا ہے، جو ایک اچھے مفسر کی پہچان ہے۔

تفسیری اسلوب :فقہی و اعتقادی اعتدال اور دیگر خوبیاں

ملا علی اصغر قنوجی کے اسلوب کی ایک اور خصوصیت فقہی و اعتقادی مباحث میں اعتدال اور سنجیدگی ہے۔ احکام سے متعلق آیات میں وہ فقہی مسائل کو مناسب تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور برصغیر کے غالب رجحان کے مطابق فقہ حنفی کی روشنی میں رہنمائی کرتے ہیں، مگر ان کا انداز فرقہ وارانہ تعصب سے خالی ہے۔ وہ اختلافی مسائل میں دوسرے مذاہب کے دلائل کا ذکر کرتے ہوئے ادب و احترام کا دامن نہیں چھوڑتے، جو اس دور کے ایک وسیع النظر عالم کا شیوہ تھا۔

ان کی تفسیر میں روایات کے انتخاب میں بھی احتیاط نظر آتی ہے۔ وہ قصص اور فضائل میں غیر محتاط روایات پر مکمل اعتماد نہیں کرتے اور اسرائیلیات سے حتی الامکان اجتناب کرتے ہیں۔ ان کی عبارت عربی کے سادہ، واضح اور درسی اسلوب میں ہے جس کا مقصد نمایش نہیں بلکہ افادہ ہے۔ مجموعی طور پر ان کا اسلوب ایک استاد کا اسلوب ہے جو اپنے تلامذہ کو قرآن سمجھانا چاہتا ہے؛ اسی لیے اس تفسیر کو درسی حلقوں کے لیے خاص طور پر مسند قرار دیا گیا۔

اس تفسیر کی اہمیت اور مقام

ثواقب التنزیل کی اہمیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ برصغیر کی عربی تفسیری روایت کی وسعت اور گہرائی کو ظاہر کرتی ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ برصغیر میں تفسیر کا کام اردو میں زیادہ ہوا، مگر اس تفسیر اور اس جیسی دیگر عربی تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے علماء نے عرب دنیا کی علمی زبان میں بھی مکمل تفسیری کام کیے اور اپنے خطے کے طلبہ کو عربی تفاسیر ہی کے ذریعے قرآن کی تعلیم دی۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس قسم کی کم مشہور تفاسیر کا مطالعہ تاریخ تفسیر کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔ کسی بھی علمی روایت کی عظمت صرف اس کی چند شہرہ آفاق کتابوں سے نہیں ناپی جا سکتی، بلکہ ان درمیانی کڑیوں سے بھی ناپی جاتی ہے جو روایت کو زندہ اور جاری رکھتی ہیں۔ ملا علی اصغر قنوجی کی یہ تفسیر اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ملا علی اصغر قنوجی قنوج کے علمی ماحول کے پروردہ ایک جید عالم اور مفسر تھے اور ان کی تفسیر "ثواقب التنزیل فی انارۃ التأویل "برصغیر کی عربی تفاسیر میں لائق مطالعہ مقام رکھتی ہے۔ ان کا تفسیری اسلوب لغت و نحو و بلاغت کے اہتمام، روایت و درایت کے امتزاج اور فقہی و اعتقادی اعتدال پر مبنی ہے۔ ان کی تفسیر اس بات کا ثبوت ہے کہ برصغیر میں خدمت قرآن کا دائرہ جامع، ہمہ جہت اور علمی روایت سے جڑا ہوا تھا۔

سوال نمبر :3 ملا جیون اور تفسیر " التفسیرات الاحمدیہ — "جامع نوٹ 20) نمبر(

سوال نمبر3 ۔ ملا جیون اور ان کی تفسیر" التفسیرات الاحمدیہ" پر جامع نوٹ سپردِ قلم کیجیے۔(20)

تعارف

برصغیر کے علماء نے قرآن مجید کی خدمت مختلف زاویوں سے کی ہے؛ کسی نے مکمل تفسیر لکھی، کسی نے لغت و بلاغت پر توجہ دی اور کسی نے قرآنی احکام کو اپنا خصوصی میدان بنایا۔ آیات الاحکام یعنی وہ آیات جن سے شرعی احکام مستنبط ہوتے ہیں، کی تفسیر کا فن قدیم دور سے مفسرین و فقہاء کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ برصغیر میں اس فن کی سب سے نمایاں اور مقبول کتاب ملا جیون کی" التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ "ہے، جو اپنے مصنف کے نام کی نسبت سے" تفسیرات احمدیہ "کے نام سے مشہور ہے۔

ملا جیون اپنے دور کے عظیم مدرس اور محقق تھے۔ ان کی یہ تفسیر اور ان کی مشہور کتاب" نور الانوار "آج بھی برصغیر کے دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے، جو ان کے علمی مقام اور ان کی تصانیف کی افادیت کا زندہ ثبوت ہے۔ ذیل میں ان کی سوانح، ان کی تفسیر کے تعارف، منہج اور خصوصیات پر جامع نوٹ پیش کیا جاتا ہے۔

ملا جیون کی سوانح حیات

ملا جیون کا اصل نام احمد بن ابی سعید بن عبید اللہ حنفی ہے اور آپ" ملا جیون "کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی ولادت1047 ھ میں اودھ کے مردم خیز قصبے امیٹھی میں ہوئی، اسی لیے امیٹھوی بھی کہلائے۔ امیٹھی اس زمانے میں علم کا چھوٹا مگر فعال مرکز تھا اور ملا جیون کا خاندان بھی علمی گھرانہ تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی

اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے اس دور کے بڑے علمی مراکز کا رخ کیا اور جید اساتذہ سے فقہ، اصول، منطق، کلام اور تفسیر و حدیث کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ تدریس سے وابستہ ہوئے اور جلد ہی آپ کی علمی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ آپ کے حلقہ درس میں برصغیر کے طول و عرض سے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے۔ آپ کی شخصیت میں ایک سچے استاد کی تمام خوبیاں موجود تھیں :علم کی گہرائی، بیان کی وضاحت، طلبہ سے شفقت اور مزاج کی سادگی۔ آپ کا شمار ان اساتذہ میں ہوتا ہے جنہوں نے نصابی اور درسی ادب کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

آپ کی وفات1130 ھ میں ہوئی۔ آپ کی تصانیف میں" نور الانوار "سب سے مشہور ہے جو اصول فقہ کی بنیادی کتاب "المنار "کی شرح ہے اور درس نظامی کے نصاب کی زینت ہے۔ اس کے علاوہ" التفسیرات الاحمدیہ "آپ کا دوسرا بڑا علمی شاہکار ہے جس نے آپ کو مفسرین کی صف میں جگہ دلائی۔

تفسیرات احمدیہ کا تعارف

"التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ "عربی زبان میں آیات الاحکام کی تفسیر ہے۔ اس میں پورے قرآن کی تفسیر مقصود نہیں ہے بلکہ صرف ان آیات کو لیا گیا ہے جن سے فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی آیات کی تعداد کے بارے میں علماء کے ہاں مشہور قول یہ ہے کہ یہ تقریباً پانچ سو ہیں، جن میں عبادات، معاملات، معاشرت، حدود و تعزیرات اور سیر و مغازی سے متعلق احکام شامل ہیں۔ ملا جیون نے ترتیب مصحف کے مطابق ان آیات کو یکجا کیا اور ہر آیت کے تحت اس سے ثابت ہونے والے احکام کو فقہ حنفی کی روشنی میں دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کتاب کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ آیات الاحکام جو قرآن میں بکھری ہوئی ہیں، طالب علم کو ایک جگہ ترتیب سے مل جاتی ہیں اور اسے ہر حکم کا قرآنی ماخذ معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتاب صدیوں سے برصغیر کے مدارس میں پڑھائی جاتی رہی ہے اور بار بار طبع ہوئی ہے۔ فقہ اسلامی اور قرآن کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

تفسیرات احمدیہ کا منہج

ملا جیون کا منہج واضح اور منظم ہے۔ وہ سب سے پہلے آیت کا متن ذکر کرتے ہیں، پھر ضروری لغوی اور نحوی وضاحت کرتے ہیں تاکہ مفہوم متعین ہو جائے۔ اس کے بعد وہ آیت سے مستنبط ہونے والے فقہی مسائل کو ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں۔ ہر مسئلے میں وہ پہلے مذہب حنفی کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس کے دلائل کتاب و سنت اور اصول فقہ سے پیش کرتے ہیں۔ جہاں دوسرے فقہی مذاہب کا موقف مختلف ہوتا ہے، وہاں اس کا ذکر بھی مناسب اختصار سے کرتے ہیں اور پھر ترجیح کی صورت واضح کرتے ہیں

ان کے منہج کی ایک خصوصیت اصول فقہ سے ان کی گہری وابستگی ہے۔ چونکہ وہ خود اصول کے امام سمجھے جاتے تھے، اس لیے وہ ہر حکم کی بحث میں عام و خاص، مطلق و مقید، امر و نہی اور ناسخ و منسوخ جیسے اصولی مباحث کو پس منظر میں رکھتے ہیں۔ اس سے طالب علم کو صرف مسئلہ نہیں ملتا بلکہ استنباط کا طریقہ بھی آ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر فقہ اور اصول دونوں کا درسی سرمایہ سمجھی جاتی ہے۔

تفسیرات احمدیہ کی خصوصیات

اس تفسیر کی پہلی خصوصیت موضوع کا اختصاص ہے۔ دنیا کی اکثر تفاسیر مکمل قرآن پر ہیں، جبکہ ملا جیون نے خاص آیات الاحکام کو منتخب کر کے ان پر ارتکاز کیا، جس سے بحث میں گہرائی اور جامعیت پیدا ہو گئی۔ دوسری خصوصیت اختصار کے ساتھ جامعیت ہے؛ عبارت مختصر مگر معنی سے بھرپور ہے، جو درسی کتابوں کا خاص وصف ہوتا ہے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب محض فقہ کی کتاب نہیں بلکہ واقعی تفسیر ہے؛ یعنی آیت کے سیاق و سباق، شان نزول اور سابقہ و لاحقہ آیات سے اس کے ربط کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے، اس لیے حکم کو اس کے قرآنی ماحول میں سمجھنا آسان ہوتا ہے۔

چوتھی خصوصیت اس کا درس و تدریس سے گہرا تعلق ہے۔ چونکہ ملا جیون بنیادی طور پر مدرس تھے، اس لیے کتاب کا اسلوب سوال و جواب کی کیفیت رکھتا ہے؛ جہاں اشکال پیدا ہونے کا امکان ہو وہاں وہ اسے خود اٹھا کر اس کا جواب دیتے ہیں۔ یہ طریقہ طالب علم کی ذہنی تربیت کے لیے نہایت مفید ہے۔ پانچویں خصوصیت اس کتاب کی استمراری

مقبولیت ہے کہ تین صدیاں گزرنے کے بعد بھی یہ کتاب نصاب میں شامل ہے اور فقہ حنفی کے طلبہ کے لیے آیات الاحکام کا اولین ماخذ سمجھی جاتی ہے۔

ملا جیون کی علمی خدمات کا مجموعی جائزہ

ملا جیون کی خدمات کو دیکھا جائے تو وہ ایک ہی وقت میں مفسر، فقیہ، اصولی اور مدرس نظر آتے ہیں۔ برصغیر میں درس نظامی کے نصاب کی تشکیل و تدوین کے جس دور کو علمی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے، ملا جیون اسی دور کی نمایاں شخصیت ہیں۔ ان کی تصانیف نے نصابی ادب کو وہ وضاحت اور ترتیب دی جس پر آئندہ نسلوں نے اپنی علمی عمارت کھڑی کی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے پہلے کی نسل میں ملا جیون کو وہ مقام حاصل تھا جو علمی دنیا میں کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

ان کی تفسیر نے برصغیر کے علماء کو یہ درس دیا کہ تفسیر قرآن صرف واعظانہ اسلوب کا نام نہیں، بلکہ اس سے زندگی کے عملی احکام کا نظام بھی مرتب ہوتا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ فقہ کی بنیاد قرآن پر ہے اور مفسر کے لیے فقہ سے واقفیت اور فقیہ کے لیے قرآن سے تعلق دونوں لازم ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ملا جیون برصغیر کے جلیل القدر عالم، نامور مدرس اور ممتاز مفسر تھے۔ ان کی" التفسیرات الاحمدیہ "آیات الاحکام کی تفسیر میں تفسیری ادب کا قیمتی سرمایہ ہے، جس میں فقہ حنفی کے دلائل کو قرآنی ترتیب کے ساتھ مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تین صدیوں سے دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے، جو اس کی علمی قدر و افادیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ملا جیون کا نام برصغیر کی دینی و علمی تاریخ میں ہمیشہ احترام سے لیا جاتا رہے گا۔

سوال نمبر :4 مولانا ثناء اللہ امرتسری — احوال و آثار اور تفسیر" القرآن بکلام الرحمن "کی روشنی میں ان کا منہج و اسلوب تفسیر 20) نمبر(

سوال نمبر4 ۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے احوال و آثار پر روشنی ڈالیے نیز" تفسیر القرآن بکلام الرحمن "کی روشنی میں ان کے منہج و اسلوبِ تفسیر تفصیلاً قلمبند کیجیے۔(20)

تعارف

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کا برصغیر مذہبی مناظروں، تحریکوں اور فکری کشمکش کا دور تھا۔ ایک طرف مسیحی مشنری اور آریہ سماج اسلام پر اعتراضات کر رہے تھے، دوسری طرف نئے مذہبی فتنے سر اٹھا رہے تھے اور تیسری طرف مسلمانوں کے اندر فرقہ وارانہ مباحث زوروں پر تھے۔ ایسے پرآشوب دور میں جو شخصیت میدان مناظرہ کی بے تاج بادشاہ بن کر ابھری، وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے، جنہیں ان کی خدمات کی وجہ سے" فتح المناظرین "اور" شیر پنجاب "جیسے القاب سے یاد کیا گیا۔ وہ صرف مناظر ہی نہیں تھے بلکہ جید عالم، خطیب، صحافی اور مفسر قرآن بھی تھے۔

ان کی تفسیری خدمات میں اردو تفسیر" تفسیر ثنائی "اور عربی تفسیر" تفسیر القرآن بکلام الرحمن "خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں ان کے احوال و آثار پر روشنی ڈالتے ہوئے عربی تفسیر کی روشنی میں ان کے منہج و اسلوب تفسیر کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے احوال زندگی

مولانا ثناء اللہ امرتسری1868 ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان کشمیری النسل تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم امرتسر ہی میں حاصل کی اور پھر لاہور اور دیگر مراکز کے علماء سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ کم عمری ہی میں آپ کے اندر ذہانت، حافظے اور حاضر جوابی کی غیر معمولی صلاحیتیں ظاہر ہونے لگیں۔ آپ اہل حدیث مسلک کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے اور اسی مسلک کی ترجمانی اور دفاع میں آپ نے پوری زندگی صرف کر دی۔

آپ کی زندگی کا نمایاں ترین پہلو میدان مناظرہ ہے۔ آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیروکاروں سے تحریری و زبانی مباحث کیے اور قادیانیت کے رد میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اسی طرح آریہ سماج اور سناتن دھرم کے پرچارکوں، عیسائی پادریوں اور دیگر مخالفین اسلام کے ساتھ آپ کے مناظرے تاریخ کا حصہ ہیں۔ آپ کا اسلوب دلائل سے بھرپور، شائستہ مگر انتہائی مضبوط ہوتا تھا اور مناظرہ کے اصولوں سے ہی اس پر حجت قائم کرنا آپ کا خاص فن تھا۔ آپ جمعیت اہل حدیث کے اہم رہنماؤں میں سے تھے اور سیاسی و مذہبی میدان میں بھی سرگرم رہے۔

آپ نے صحافت کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ کا جاری کردہ اخبار" اہل حدیث "برسوں تک اہل حدیث کی آواز بنا رہا اور اس کے ذریعے آپ نے عوام کی دینی رہنمائی اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا۔ تقسیم ہند کے بعد آپ امرتسر سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے، جہاں 15 مارچ1948 ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

مولانا امرتسری کے علمی آثار

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تصانیف کی تعداد ساٹھ سے زائد بتائی جاتی ہے جن میں چھوٹے بڑے رسائل، مناظرہ جات کی رودادیں اور علمی کتب شامل ہیں۔ ان کے نمایاں آثار میں تفسیر کے میدان میں" تفسیر ثنائی "کو خاص شہرت ملی، جو اردو زبان میں آٹھ جلدوں میں مکمل قرآن کی تفسیر ہے اور عام قارئین میں بہت مقبول ہوئی۔ دوسری طرف ان کی عربی تفسیر" تفسیر القرآن بکلام الرحمن "علمی حلقوں میں ان کی تحقیق کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔

ان کے دیگر مشہور آثار میں" حق پرکاش "آریہ سماج کے بانی کی کتاب کے جواب میں ایک اہم تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ قادیانیت کے رد میں ان کی کتب و رسائل، خطبات کے مجموعے اور سیر و تاریخ سے متعلق مضامین بھی ان کے علمی سرمایے کا حصہ ہیں۔ ان کی تمام تصانیف کا مشترکہ وصف یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے زندہ مسائل کا جواب ہیں؛ انہوں نے علم کو کتابوں کی زینت نہیں بنایا بلکہ میدان عمل کا ہتھیار بنایا۔

"تفسیر القرآن بکلام الرحمن "کا تعارف

یہ تفسیر عربی زبان میں ہے اور اس کے نام ہی سے اس کا منہج ظاہر ہے :قرآن کی تفسیر خود اللہ کے کلام یعنی قرآن ہی سے۔ مولانا امرتسری کا مستقل نقطہ نظر یہ تھا کہ قرآن مجید اپنی تفسیر خود کرتا ہے؛ ایک جگہ جو بات مجمل آتی ہے

دوسری جگہ اسی کی تفصیل موجود ہوتی ہے، اور جو حکم ایک سورت میں مختصر ہے دوسری سورت میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس تفسیر میں ہر آیت کی تشریح کے لیے سب سے پہلے دوسری آیات کو پیش نظر رکھا اور ان کی روشنی میں مفہوم متعین کیا۔

یہ تفسیر ان کے اس اصولی موقف کی عملی تصویر ہے جو اہل حدیث کے منہج فکر کا خاصہ ہے کہ قرآن کی تشریح کا پہلا اور بنیادی ماخذ خود قرآن ہے، اس کے بعد سنت صحیحہ ہے اور اس کے بعد سلف صالحین کا فہم۔ اس تفسیر کا اسلوب مختصر مگر پرمغز ہے اور یہ اہل علم کے لیے لکھی گئی ہے، اسی لیے اس میں غیر ضروری قصے کہانیاں اور طویل لفظی مباحث نہیں ملتے۔

ان کا منہج تفسیر

مولانا امرتسری کے منہج تفسیر کا پہلا اصول تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ وہ کسی آیت کے مفہوم کو متعین کرتے وقت اس موضوع کی تمام آیات کو جمع کر کے بات کرتے ہیں۔ اس طریقے سے بہت سے اختلافی مسائل میں قرآن کی اصل مراد واضح ہو جاتی ہے اور ایسی تاویلات کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے جو کسی ایک آیت کو سیاق سے کاٹ کر کی جاتی ہیں۔ ان کا دوسرا اصول حدیث صحیح پر اعتماد ہے؛ وہ آیات کی تشریح میں نبوی تشریحات کو فیصلہ کن حیثیت دیتے ہیں اور ضعیف و موضوع روایات سے اجتناب کرتے ہیں۔

ان کے منہج کی تیسری خصوصیت اسرائیلیات اور غیر مستند قصص کا رد ہے۔ وہ سابقہ تفاسیر میں در آنے والی ان روایات پر سخت تنقید کرتے ہیں جن کی کوئی سند نہیں یا جو قرآن و عقل سلیم سے ٹکراتی ہیں۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ وہ سلف صالحین کے فہم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جدید من مانے معانی گھڑنے کے حق میں نہیں ہیں۔ پانچویں خصوصیت ان کے منہج کا دفاعی و اصلاحی پہلو ہے؛ وہ تفسیر میں ان مقامات پر مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب بھی دیتے چلتے ہیں اور باطل فرقوں کی گمراہیوں سے بھی آگاہ کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک تفسیر کا مقصد محض تعلیم نہیں بلکہ حق کا دفاع بھی ہے۔

ان کا اسلوب تفسیر

اسلوب کے اعتبار سے مولانا امرتسری کی تفسیر سادگی، وضاحت اور استدلال کا نمونہ ہے۔ زبان سلیس عربی ہے جس میں علمیت کی جھلک تو ہے مگر پیچیدگی نہیں۔ جملے چھوٹے اور مطلب واضح ہوتا ہے۔ ان کے ہاں مناظرانہ زندگی کا اثر بھی اسلوب میں نظر آتا ہے؛ وہ کسی مسئلے پر بات کرتے ہوئے ممکنہ اعتراض کا خود ہی جواب دیتے ہیں اور دلیل کو اس ترتیب سے پیش کرتے ہیں کہ قاری آسانی سے ان کے استدلال کی تہ تک پہنچ جائے۔

اردو تفسیر ثنائی میں ان کا اسلوب اس سے بھی زیادہ عام فہم اور خطیبانہ رنگ لیے ہوئے ہے، کیونکہ اس کے مخاطب عام اردو خواں مسلمان تھے۔ اس میں وہ جا بجا اردو کے محاورے، مثالیں اور اپنے دور کے واقعات سے بات کو سمجھاتے ہیں۔ اس تنوع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخاطب کی سطح کے مطابق اسلوب بدلنے کا ہنر جانتے تھے، جو ایک کامیاب مصنف اور مفسر کی پہچان ہے۔ ان کی تفسیر میں مسلکی مباحث بھی ملتے ہیں، مگر ان کا بنیاد دلیل پر مبنی ہوتا ہے اور بدزبانی ان کے قلم سے کبھی سرزد نہیں ہوئی۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری برصغیر کے ان نادر علماء میں سے تھے جنہوں نے علم، مناظرہ، صحافت اور تفسیر ہر میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی عربی تفسیر" تفسیر القرآن بکلام الرحمن "ان کے منہج کی آئینہ دار ہے جس کی بنیاد قرآن کی تفسیر قرآن سے، سنت صحیحہ پر اعتماد، اسرائیلیات سے اجتناب اور سلف کے فہم کی پابندی پر ہے۔ ان کا واضح، مدلل اور بے لاگ اسلوب آج بھی طلبہ کے لیے اس بات کی عملی مثال ہے کہ تفسیر کو ماخذ سے جڑا اور پھیلے ہوئے اعتراضات کا جواب دینے والا علم ہونا چاہیے۔

سوال نمبر :5 شاہ عبدالقادر محدث دہلوی — احوال و آثار اور تفسیر" موضح القرآن "

کا تعارف و خصائص 20) نمبر(

سوال نمبر5 ۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے احوال و آثار بیان کرتے ہوئے تفسیر موضح القرآن کا تعارف اور خصائص بیان کیجیے۔(20)

تعارف

برصغیر میں قرآن مجید کو عام مسلمانوں تک ان کی اپنی زبان میں پہنچانے کی تاریخ کا سب سے روشن باب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خانوادے سے وابستہ ہے۔ شاہ ولی اللہ نے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا اور ان کے صاحبزادوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو ترجمہ کر کے اس مشن کو عوام تک پہنچایا۔ ان میں سے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ اور ان کی مختصر تفسیر" موضح القرآن "کو جو مقبولیت ملی وہ اردو تفسیری تاریخ میں بے مثال ہے، کیونکہ اسی کتاب کے ذریعے پہلی مرتبہ برصغیر کا عام اردو خواں شخص براہ راست قرآن کے مفہوم سے آشنا ہوا۔

ذیل میں شاہ عبدالقادر کے احوال و آثار بیان کیے جاتے ہیں اور پھر موضح القرآن کا تعارف کراتے ہوئے اس کی خصوصیات تفصیل سے واضح کی جاتی ہیں۔

شاہ عبدالقادر کے احوال زندگی

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی1167 ھ بمطابق1753 ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ عظیم مصلح و محدث شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحبزادے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کی پرورش اس دور کے سب سے بڑے علمی و روحانی ماحول میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار اور بڑے بھائیوں سے حاصل کی اور قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر میں مہارت پیدا کی۔ آپ کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ کم سن تھے، مگر بھائیوں کی سرپرستی نے اس کمی کو پورا کر دیا۔

آپ کی طبیعت میں بچپن ہی سے سادگی، درویشی اور دنیا سے بے رغبتی غالب تھی۔ آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ دہلی میں درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور قرآن کی خدمت میں گزارا۔ دنیاوی جاہ و منصب سے آپ کو کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اس دور میں دہلی سیاسی انتشار کا شکار تھی اور مسلمانوں کی حالت ابتر ہو چکی تھی، ایسے میں آپ نے اصلاح کا راستہ یہ اختیار کیا کہ عوام کو قرآن سے جوڑا جائے۔ آپ کی وفات1230 ھ بمطابق1814 ء کے قریب ہوئی اور آپ دہلی ہی میں آسودہ خاک ہوئے۔

شاہ عبدالقادر کے علمی آثار

شاہ عبدالقادر کی تصانیف کی تعداد ان کے بھائیوں کے مقابلے میں کم ہے، لیکن ان کی اصل اور دائمی خدمت ان کا اردو ترجمہ قرآن اور موضح القرآن ہے جس نے نسلوں کو متاثر کیا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ تحت اللفظ تھا، یعنی ہر عربی لفظ کے نیچے اس کا اردو مترادف دیا گیا تھا، جس سے عبارت میں روانی نہیں آتی تھی اور عام قاری اس سے مفہوم آسانی سے اخذ نہیں کر پاتا تھا۔ شاہ عبدالقادر نے اس کمی کو محسوس کر کے بامحاورہ ترجمہ کیا اور اس کے ساتھ مختصر توضیحی فوائد کا اضافہ کیا جو "موضح القرآن" کے نام سے مشہور ہوئے۔

اس کے علاوہ چند چھوٹے رسائل اور فوائد بھی ان کی طرف منسوب ہیں، مگر ان کی شناخت ہمیشہ مترجم و مفسر قرآن کی حیثیت سے رہی۔ بعد کے تقریباً تمام اردو مترجمین و مفسرین نے ان کے ترجمے کو بنیاد بنایا اور اس سے استفادہ کیا، یہاں تک کہ ان کا ترجمہ صدیوں تک اردو قرآن کا معیاری ترجمہ سمجھا جاتا رہا۔

موضح القرآن کا تعارف

"موضح القرآن" دراصل شاہ عبدالقادر کے اردو ترجمے کے ساتھ لکھے گئے مختصر توضیحی نوٹوں کا نام ہے۔ "موضح" کا مطلب ہے واضح کرنے والا؛ چنانچہ اس کتاب کا مقصد ہی قرآن کے مشکل مقامات کی وضاحت اور ان ابہامات کو دور کرنا تھا جو ترجمہ پڑھنے سے قاری کے ذہن میں پیدا ہو سکتے تھے۔ اس میں صفحے پر قرآن کا متن اور اردو ترجمہ دیا گیا اور حاشیے میں نہایت اختصار سے وہ فوائد درج کیے گئے جن سے آیت کا مفہوم کھل جاتا ہے۔

اس دور میں ابھی اردو نثر اپنی ابتدائی منازل طے کر رہی تھی اور دینی اردو واجبی سی تھی۔ ایسے ماحول میں ایک ایسی کتاب لکھنا جو عالم اور عامی دونوں کے لیے یکساں مفید ہو، غیر معمولی کارنامہ تھا۔ موضح القرآن نے برصغیر کے گھروں میں قرآن فہمی کی فضا پیدا کی اور بعد میں آنے والی اردو تفاسیر کے لیے بنیاد فراہم کی۔ آج جن مکمل اردو تفاسیر کو ہم دیکھتے ہیں، ان کی جڑیں اسی مختصر کتاب میں پیوست ہیں۔

موضح القرآن کی خصوصیت نمبر 1: بامحاورہ اور سلیس ترجمہ

موضح القرآن کی پہلی اور بنیادی خصوصیت اس کا بامحاورہ اور سلیس اردو ترجمہ ہے۔ شاہ عبدالقادر نے الفاظ کی جگہ مفہوم کو ترجیح دی اور ترجمہ اس طرح کیا کہ وہ اردو بولنے والے کے ذہن میں فوراً اتر جائے۔ ان کے ترجمے کی عبارت اتنی رواں ہے کہ قاری کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ کسی غیر زبان کی کتاب کا ترجمہ پڑھ رہا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے مفہوم کی صحت کا پورا خیال رکھا اور محاورے کی خاطر اصل معنی سے تجاوز نہیں کیا۔

اس خوبی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا ترجمہ عام و خاص میں مقبول ہوا اور علماء نے اسے اردو تراجم کا امام قرار دیا۔ بعد کے بڑے مترجمین نے بھی اس ترجمے کی خوبصورتی کا اعتراف کیا ہے۔ اردو زبان کی تاریخ میں بھی اس ترجمے کو کلاسیکی حیثیت حاصل ہے اور اسے اردو نثر کے ابتدائی نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

موضح القرآن کی خصوصیت نمبر 2: مختصر مگر جامع فوائد

دوسری خصوصیت اس کے فوائد کا اختصار کے ساتھ جامع ہونا ہے۔ شاہ عبدالقادر حاشیے میں صرف اتنا لکھتے ہیں جتنا آیت سمجھنے کے لیے ناگزیر ہو۔ مشکل لفظ کی وضاحت، کسی ضمیر کے مرجع کی تعیین، کسی واقعے کا پس منظر یا کسی حکم کی علت، جو چیز بھی قاری کو درکار ہو وہ ایک دو سطروں میں موجود ملتی ہے۔ اس اختصار کی وجہ سے کتاب کا حجم بھی قابو میں رہا اور قیمت و تیاری کے اعتبار سے بھی یہ عوام کی دسترس میں رہی۔

یہ اختصار سطحیت نہیں ہے بلکہ علم کی پختگی کا ثبوت ہے۔ کم لکھنے کے لیے مفہوم پر مکمل گرفت ضروری ہوتی ہے۔ ان کے فوائد پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کو قرآن کے مزاج سے گہری واقفیت تھی اور وہ جانتے تھے کہ قاری کہاں اٹکے گا اور اسے کس نکتے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بڑی بڑی تفاسیر بھی وہ وضاحت نہیں کر پاتیں جو موضح القرآن کی دو سطریں کر دیتی ہیں۔

موضح القرآن کی خصوصیت نمبر 3: عوامی افادیت اور اعتدال

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب مکمل طور پر عوامی افادیت کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اس میں نہ طویل نحوی و صرفی مباحث ہیں، نہ کلامی موشگافیاں اور نہ فقہی اختلافات کی بھرمار۔ مسلکی اور فروعی بحثوں سے بھی حتی

الامکان پریپز کیا گیا ہے، تاکہ عام مسلمان بغیر کسی الجھن کے قرآن کی ہدایت حاصل کر سکے۔ اس اعتدال اور غیر جانب دارانہ انداز کی وجہ سے یہ کتاب ہر طبقے اور ہر مسلک کے مسلمانوں میں یکساں مقبول ہوئی۔

اس کے علاوہ اس کتاب کا ایک پہلو اصلاحی بھی ہے۔ شاہ عبدالقادر کے پیش نظر صرف معلومات فراہم کرنا نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کو قرآن کی طرف واپس لانا تھا۔ اسی لیے فوائد میں جہاں موقع ملتا ہے وہ عقیدے کی درستی، اخلاق کی اصلاح اور بدعات سے بچنے کی طرف لطیف اشارے کر دیتے ہیں۔ اس کتاب نے برصغیر کے مسلمانوں کی مذہبی بیداری میں بنیادی کردار ادا کیا اور ولی اللہی تحریک کے اصل مقصد یعنی رجوع الی القرآن کو عملی شکل دی۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی برصغیر کے ممتاز محدث، درویش صفت عالم اور اردو ترجمہ و تفسیر کے بانیوں میں سے تھے۔ ان کی کتاب" موضح القرآن "اردو تفسیری ادب کا سنگ میل ہے جس کی نمایاں خصوصیات بامحاورہ و سلیس ترجمہ، مختصر مگر جامع فوائد اور عوامی افادیت کے ساتھ فکری اعتدال ہیں۔ اس کتاب نے قرآن کو عالموں کی الماریوں سے نکال کر عام مسلمان کے گھر تک پہنچایا اور یہی اس کی سب سے بڑی اور دائمی خدمت ہے۔